فرحین اظفر

دل بے وفا

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہوگئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید' انس' عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ' انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس' سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کردیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے' مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کرلیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہوکر انس کے گھر آجاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید' عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ' شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے' جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہوجاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کرلیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کردیتی ہیں۔

حدید' انس کی خاطر نائلہ سے شادی کرنے کے لیے رضامند ہوجاتا ہے اور شادی کے بعد پوری سچائی سے نائلہ کو بیوی کا درجہ دینا چاہتا ہے' مگر نائلہ نے حدید کو مجبوری کے تحت اپنی زندگی میں قبول کیا اور اس کو وہ مقام نہ دیا جو اس کا حق تھا۔ حدید





خاموش ہوگیا کہ وقت کے ساتھ ساتھ نائلہ اس کو قبول کرلے گی، مگر حدید کی شرافت اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے نائلہ کے دماغ میں کچھ اور ہی منصوبے بالا ہی بالا تشکیل پانے لگے، جس پر نائلہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کامیابی سے عمل پیرا تھی کہ وہ انس کی نہ ہو سکی تو سوہا اور انس کو بھی جدا کردے گی۔

ماہا کی شادی حسیب سے بخیر و خوبی ہو جاتی ہے۔ ماہا حسیب کے ساتھ دبئی چلی جاتی ہے، ماہا حسیب سے شادی کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت لڑکی سمجھنے لگتی ہے، مگر اس کو پتا چلتا ہے کہ حسیب ایک بیٹے کا باپ ہے اور وہ فوراً" پاکستان جانے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔

سوہا امید سے ہوتی ہے، مگر نائلہ بڑی عمدگی اور کامیابی سے سوہا کو اس خوشی سے محروم کردیتی ہے اور اس حادثے کے بعد انس کو اپنی زیادتی کا احساس ہوتا ہے اور وہ سوچ لیتا ہے کہ اب سوہا کو کوئی غم نہیں دے گا۔ نائلہ اسپتال میں شبیر حسین کو دیکھ کر چکرا جاتی ہے وہ سمجھتی ہے کہ شبیر حسین نے اس کو نہیں دیکھا، مگر شبیر حسین نائلہ کا پیچھا کرتے کرتے اس کے گھر پہنچ جاتا ہے اور نائلہ نہ چاہتے ہوئے بھی شبیر حسین کے جال میں گھر جاتی ہے۔

حسیب ماہا کو منالیتا ہے اور پاکستان آجاتا ہے، مگر ماہا پھر غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے اور حسیب کے ساتھ جانے سے منع کردیتی ہے۔ حسیب اکیلا ہی دبئی جانے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

عفت کا نکاح معراج کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ جس کا حدید کو پتا چلتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

گیارہویں قسط

حیدر آباد کی دھوپ سے تپتی زمین پر چاند کی نرم کرنوں کی ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ یہ کرائے کا مکان ایک کمرے اور چھوٹے سے دالان پر مشتمل تھا۔ صد شکر تھا کہ مالک مکانوں نے کونے سے اوپر کی طرف جاتی لکڑی کی سیڑھیاں، کرائے داروں کے لیے کھول رکھی تھیں۔

شدید گرمی اور حبس میں جب لوڈشیڈنگ مہمان ہو جاتی تو تقریباً" ہر روز وہ پسینے میں بھیگا جسم اپنی چادر اور تکیہ اٹھا کر اوپر چلا آتا۔ ایسے میں اسے اپنے گھر کی چھت اور اس کا نازک اندام وجود بہت شدت سے یاد آتا۔ جسے اللہ نے اس کے دل کی مرضی جانتے ہوئے اس کی زندگی میں شامل کردیا تھا، لیکن آج معاملہ مختلف تھا۔

آج سوہا کی یاد کے ساتھ دو اور فکریں اس کے ذہن پر سوار تھیں۔ ایک تو اس کے کمرے اور الماری کے کھلے دروازے اور دوسرے نائلہ کا اچانک بے ہوش ہو جانا۔

سرہانے لگے موبائل کی لائٹ جلی، وائبریشن ہونے لگی۔

"سوہا کالنگ" لمحہ بھر میں سارے خیالات اس کے ذہن سے یوں اڑن چھو ہوئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ وہ سب بھول گیا سوائے اس آواز کے، جو ابھی ابھی اس کی سماعتوں میں اتر کر اس کی روح کو اطمینان دینے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو اضطراب بخشنے والی تھی۔ اس کی تشنگی بڑھانے والی تھی۔

"کیا حال ہیں جان من!" اس کا مسکراتا لہجہ سن کر سوہا کے لبوں پر بھی چمک پھوٹنے لگی۔

"حال وہی ہے، جو آپ چھوڑ کر گئے تھے۔" وہ رکی پھر بولی۔

"سوہا!" چند لمحوں بعد اس نے بڑی سنجیدگی اور گمبھیرتا سے پکارا۔

"جی۔" وہ بھی ذرا کی ذرا سنجیدہ ہوئی۔

"بہت یاد آرہی ہے تمہاری یار۔" بے بسی سی بے بسی تھی۔

"مجھے بھی۔" دونوں خاموش ہوگئے اور یہ خاموشی ایسی ہی تھی کہ کہنے کو دونوں کے پاس کچھ نہ کچھ تھا، لیکن وہ اپنے علاوہ کسی اور کی بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔ خاموشی طویل ہونے لگی اور یہ دوری انس پر جھنجلاہٹ اور سوہا پر

اداسی طاری کرنے ہی لگی تھی کہ انس کو کچھ یاد آگیا۔
"اچھا سنو! ایک بات بتا رہا ہوں تمہیں دھیان سے سننا۔ آج جب میں تمہیں چھوڑ کر گھر گیا تو۔" اس نے کمرے کے کھلے دروازے سے لے کر نائلہ کی مشکوک حالت تک سب کہہ ڈالا۔ سوہا اچنبھے میں گھری سنتی گئی۔
"میرا نہیں خیال کہ یہ نائلہ کی حرکت ہے۔"
"لیکن میرا یہی خیال ہے۔ نائلہ کے سوا اور کون جا سکتا ہے کمرے میں۔ جبکہ وہ اکیلی بھی تھی۔"
"پتا نہیں وہ کن چکروں میں ہے۔ آپ اس کے بارے میں کوئی گمان مت رکھیں۔ وہ کچھ بھی سوچ سکتی ہے اور کچھ بھی کر سکتی ہے۔ یاد نہیں میں نے بتایا تھا نا! کہ اس کا رویہ میرے ساتھ کتنا برا ہے۔" سوہا کو ایک بار پھر نائلہ کی برائی کرنے کا موقع مل گیا۔
"رویہ جو بھی ہو، لیکن وہ کمرے میں کیا کرنے گئی ہوگی میں تو یہ سوچ رہا ہوں۔"
"اچھی طرح تلاشی لیجئے کوئی چیز گم تو نہیں ہوئی۔"
"نہیں میں نے دیکھ لیا ہے اور تم بھی کیا بات کر رہی ہو انڈین ڈراموں والی' وہ کیا کمرے میں چوری کرنے گھسی ہوگی۔" اس نے کان پر سے مکھی اڑائی۔
"اگر وہ کسی بری نیت سے نہیں گئی تب بھی گئی وہی ہے۔ مجھے یقین ہے۔ تب ہی تو آپ دونوں کے سوالات سے بچنے کی خاطر بے ہوش ہو گئی۔"
"اے یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ وہ کوئی ناٹک نہیں کر رہی تھی۔"
"آپ کو اندازہ نہیں وہ کتنی بڑی نوٹنکی ہے۔" سوہا ٹھونک بجا کر بولی۔
"اندازہ تو مجھے بھی نہیں تھا کہ تم اتنی بی جمالو ہو۔"
"اوہ۔ میں بی جمالو ہوں۔" حسب توقع وہ فوراً ہی برا مان گئی۔
"اچھا اچھا بس زیادہ منہ پھلانے کی ضرورت نہیں۔ میں اتنی خوب صورت کال کو ناراضی پر اینڈ نہیں کرنا چاہتا۔ کل ایک نئی جگہ اپلائی کیا تھا وہاں انٹرویو کے لیے جانا ہے۔ اس لیے تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔"
"ہوں۔۔۔ں۔۔۔ں۔" سوہا خاموش رہی۔۔۔ پھر بولی۔
"نیند کس کم بخت کو آنی ہے یہاں۔۔۔ آپ کو آجائے گی نیند۔" اس کے لہجے میں ایک وفا شعار بیوی کی محبت بول رہی تھی۔
"آہی جائے گی۔۔۔ لیکن میں کمبخت نہیں ہوں۔"
"انس۔۔۔" سوہا کی ہنسی نکل گئی۔
"ہاں میں بہت بخت آور ہوں۔۔۔ کیوں کہ میرے نصیب میں تم لکھی گئیں۔" اس کا لہجہ مہک رہا تھا۔



آنکھیں بند کر لینے سے ضروری نہیں کہ نیند آبھی جائے۔ بہت برا تجربہ تھا۔ وہ شدید بے زار ہوا۔
"کیوں رک گیا میں خوامخواہ۔۔۔ اس نے تو کوئی بات نہیں کی۔ نہ کوئی بات کرنے کا موقع دیا بس۔۔۔ اطمینان ہو گیا تو چلی گئی اور اب۔۔۔ کیا کرتی ہوگی۔ اطمینان سے گہری نیند سوتی ہوگی اور ایک میں پاگل ہوں۔" وہ پہلی بار ان کیفیات سے نہیں گزرا تھا۔ اس کی ایک خانہ آبادی پہلے ہو چکی تھی۔ وہ ایک بچے کا باپ بھی تھا۔ سوان کیفیات پر اس کی جھنجلاہٹ بے حد فطری تھی۔ حیرت اسے عفت کے اطمینان پر تھی۔
اور عفت۔۔۔ وہ محبت کا ذائقہ چکھ چکی تھی۔ استحقاق کا حسن پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اگر دل کے بہت

مجبور کرنے پر وہ اسے دیکھنے باہر آبھی گئی تو کیا؟ کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا، لیکن اصل حیرانگی اسے اپنے دل کے پلٹا کھانے پر تھی۔ بھلا کوئی یوں بھی رنگ بدلتا ہے کیا؟

"شاید اسی کو نکاح کے بولوں کی طاقت کہتے ہیں۔" بے حد جھجکتے ہوئے اس نے دل میں اعتراف کیا اور کاریڈور میں آگے کی طرف قدم بڑھائے۔ دل ہی دل میں خود سے الجھتا جھنجلاتا معراج گلابی آنچل کا سایہ دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ سنسان راہداری میں کوئی آہٹ تھی نہ کوئی ذی روح۔۔۔ صرف ایک وہ تھی۔ گلابی پیراہن میں لپٹی ایک نازک سی لڑکی۔ جو اس کے دل میں یوں دھڑلے سے گھس آنے والی دوسری صفت نازک تھی۔

ابھی عفت کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ بہت دھیرے رک رک کر قدم بڑھا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا اور جب یقین ہو گیا کہ اب وہ یہاں تک آئے بغیر واپس نہیں پلٹے گی تو جلدی سے آنکھیں بند کرلیں۔ عفت وہاں آئی۔ اس نے ذرا کی ذرا جھانک کر دیکھا۔ وہ سامنے ہی لیٹا تھا۔ عفت کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ اس کا لمبا چوڑا سراپا اس وقت محو خواب تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

نماز پڑھنے کی جگہ اور کوئی دوسرا مرد نہیں تھا ایک سولہ سترہ سال کی عمر کا نوعمر لڑکا دیوار کی طرف کروٹ لیے سو رہا تھا۔ اس نے نظر بھر کے معراج کے وجود کو دیکھا۔ معراج آنکھوں میں جھری بنائے اس کی کسی پیش قدمی کا منتظر رہا، لیکن وہ بس چند لمحے وہاں ٹھہری پھر واپس پلٹ گئی۔ اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ گلابی آنچل دھیرے دھیرے دور جا رہا تھا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اپنی بے موقع ایکٹنگ پر خود سے خفا بھی ہوا۔ پھر تیزی سے اٹھ گیا۔

"جب تم بھی جاگ رہی ہو اور نیند ہمیں بھی نہیں آتی۔ تو کیا ضروری ہے کہ جھوٹے ڈرامے کر کے ایک دوسرے کو جانے کیا سمجھانے کی کوشش کی جائے۔" وہ تیز قدموں سے رضوانہ کے کمرے کی طرف گیا۔ ڈیوٹی پر موجود نرسیں اور ٹیلی فون آپریٹر کاؤنٹر پر سر گرائے اونگھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی کی توجہ اس لکا چھپی کے کھیل کی طرف نہیں تھی۔ اس نے چند لمحے سوچا پھر ہلکی سی دستک دے کر دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ رضوانہ گہری نیند سو رہی تھیں۔۔۔ وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ دل ہی دل میں شرمندہ بھی ہوا۔

"کیا ضرورت تھی نوعمر لڑکوں کی طرح یہ فضول حرکت کرنے کی۔" اب باہر جانے یا یہیں ٹھہر کر انتظار کرے۔۔۔ واش روم کا دروازہ مکمل بند نہیں تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ عفت کمرے میں نہیں آئی۔

تھوڑی دیر یہاں وہاں اس کی موجودگی کے آثار اور اس کے وجود کی خوشبو کو محسوس کرنے کی ناکام کوشش کی۔ وہ کسی کا بیڈ روم نہیں اسپتال کا کمرا تھا۔ وہاں صرف دواؤں اور اسپرٹ کی بو تھی اور بالکل خاموشی۔ گہری سانس لے کر اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور واپسی کے لیے پلٹا۔ تب ہی عفت کھلے دروازے سے اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔ معراج نے محسوس کیا وہ زندگی میں اس سے زیادہ کھسیانہ کبھی نہیں ہوا۔

"آنکھ کھلی تو خیال آیا۔ آپ کو بھی دیکھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" اپنی آواز میں شامل کھسیاہٹ کے عنصر کو وہ خود بھی چھپانے سے قاصر تھا۔

"میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔ نیند نہیں آرہی۔ تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔" عفت نے گرم چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"جی جی۔۔۔ آپ جائیں۔ میں بیٹھا ہوں یہاں۔"

"آپ۔۔۔" وہ رک سی گئی۔

"آپ کو یہاں رکنے پر کوئی زحمت تو نہیں ہوگی۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ آپ شوق سے چلی جائیں۔ میں بیٹھتا ہوں۔۔۔ آپ جائیں۔" دل کچھ اور چاہتا تھا۔ زباں کچھ

اور کہتی تھی۔ عفت باہر نکلی تو لبوں پہ بکھرتی ہنسی کو بمشکل قابو کیا۔ ابھی چند قدم ہی چلی تھی اور راہداری کے موڑ تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نام کی پکار سنی۔ وہ مڑی تو معراج تیز تیز قدم اٹھاتا اس تک پہنچا۔

"میں نے سوچا میں بھی چلا چلوں باہر۔ آنٹی تو بہت ریلیکسڈ ہیں۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ تو۔" عفت نے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر نظریں جھکائیں۔ لب کا کونا دانتوں میں دبالیا اور چل پڑی۔ احاطے کے اندر موجود گھاس کا قطعہ سنسان پڑا تھا۔ دور کہیں کسی اکا دکا سنگی بنچوں پر کوئی سویا ہوا تھا۔

"میں چائے بنانے جارہی تھی۔ تو سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں کہ آپ۔" اس نے بہت محتاط انداز میں بات کی' لیکن مکمل نہیں کرسکی۔

"جی میں نے دیکھ لیا تھا آپ کو۔ جب ہی تو اٹھ کر آیا تھا کہ کہیں آپ۔" اس کے لبوں سے روانی میں جو سچ نکلا تھا اور جتنی تیزی سے عفت کے چہرے پر اک شرارتی مسکان چھوئی۔ اس نے معراج سے بات مکمل کرنا مشکل کردیا۔

"تو۔ کہیں کسی چیز۔" ایک پل کو ان کی نظریں ملیں۔ اگلے پل دونوں ہنس رہے تھے۔



وقت ہمیشہ ایک سا گزرتا ہے۔ صرف لوگوں پر کیفیات الگ وارد ہوتی ہیں تو اسی وقت کو وہ پہیے لگ جاتے ہیں۔ کہیں ادھ مرے جانور کی طرح گھسیٹتا ہے۔ وہ رات بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔ الگ الگ انسانوں کے لیے الگ طرح کی ایک ہی رات۔ سوہا کے لیے وہ رات بھر کی اضطراب میں گھلی تھی۔ نائلہ کے لیے وہ رات سخت سزا سے مشابہہ تھی۔ ماما کے لیے وہ رات صرف خدشوں اور وہموں والی رات تھی اور عفت کے لیے وہ رات بے حد حسین۔ ایک نئی' مکمل اور خوب صورت زندگی کی طرف پہلے قدم کی رات تھی۔

فجر کے بعد ہی جب سورج کی روشنی نے ذرا کی ذرا جھپ دکھائی تھی۔ اس نے جلتی آنکھوں کو مسلا اور کروٹ لینے کی کوشش کی۔ پورے جسم میں شدید تھکن کے آثار جاگے۔ شاید یہ شب بے داری کا نتیجہ ہے۔ اس نے خود ہی اندازہ لگایا اور بستر سے اٹھ کر واش روم کی سمت بڑھ گیا۔ پانی ٹھنڈا تھا۔ اس نے کتنی دیر نرم اور نم پھواروں کو جسم پر بہنے دیا۔ بند دروازے کے باہر بیڈ روم میں زندگی جاگنے کی نشانیاں نمودار ہونے لگی تھیں۔ شاید خود اس کی طرح نائلہ بھی پوری رات ڈھنگ سے سو نہیں پائی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور تھا۔

"یہ بے چین جاگتی راتیں اس نے خود اپنا نصیب بنائی ہیں۔" پتا نہیں اس کے اندر اتنا غم اور غصہ کیوں بھر گیا تھا۔ یہ ایک مرد کی انا پر چوٹ پڑنے کا نتیجہ تھا جو عورت کے ہاتھوں پڑی تھی یا پھر یہ ایک مبہم خواب ایک خیالی تصوراتی خوشبوں بھری دنیا کے لٹ جانے کا ماتم تھا۔

عفت کے نکاح کی خبر کوئی انہونی تو نہیں تھی' لیکن اس کے اعصاب اور حواس پر پتا نہیں کیوں کسی بم کی طرح پھٹ پڑی تھی۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور شاور سے نکلتے پانی کو جلتے پپوٹوں پر تڑاتڑ برسنے دیا۔ نائلہ اور عفت۔ اس کے لیے دو عورتیں' نہیں دو سمتیں بن گئی تھیں۔ وہ ایک سمت کی طرف بڑھنا چاہتا تھا اور کوئی اسے دوسری سمت دھکیلتا تھا۔ وہ ان دونوں سمتوں کے درمیان دھکم پیل میں تھکا جارہا تھا۔ اسے سجھائی نہیں دیتا کہ آگے کا راستہ کیا ہوگا۔ حالانکہ آگے راستہ صاف ہی تھا۔ دفعتاً" اس کا کھویا کھویا ذہن بے دار ہوا۔ شاور سے پانی بہنے کی رفتار دھیمی پڑ رہی تھی اور واش روم کے دروازے پر دستک ہورہی تھی۔

"ناشتا تیار ہے۔" نائلہ کی آواز بیٹھی بیٹھی سی تھی۔ گلے میں پھنسی ہوئی۔ اس نے شاور بند کردیا۔ ناشتا ہمیشہ

کی طرح اس کی پسند کا تھا مگر وہ بنا کوئی رسپانس دیے نوالے نگلتا رہا۔
"آپ آفس جائیں گے یا۔۔۔"
"یا۔۔۔؟" اس نے بے حد ناگواری سے نائلہ کو یوں دیکھا جیسے کوئی گھن آتی ہوئی چیز کو دیکھتا ہے۔ نائلہ بھی اس انداز کو سمجھتی ہی تھی۔ اس کے دل میں کوئی تیر سا گڑ گیا۔
"یا اسپتال۔۔۔ وہاں عفت رات سے اکیلی ہے اور۔۔۔" نائلہ نے بات مکمل نہیں کی۔ حدید نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ بے چینی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر کی طرف لپکا تھا۔ نائلہ نے بے تاثر چہرے سے اس کی بے چینی دیکھی اور ٹرے اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ فل اسپیڈ سے بائیک اسپتال کی طرف اڑاتے ہوئے ایک ہی سوال بار بار ذہن میں اٹھ رہا تھا۔
"میں بھول گیا۔۔۔؟ میں کیسے بھول گیا کہ عفت اکیلی ہے۔ اس نے میرا کتنا انتظار کیا ہوگا۔" وہ ایک بات اور بھول رہا تھا کہ عفت اب اتنی بھی اکیلی نہیں۔۔۔
"اس نے میرا کتنا انتظار کیا ہوگا۔ میں نے ایک فون تک نہیں کیا۔ نائلہ نے اپنے چکروں میں اتنا الجھا کر رکھا کہ۔۔۔ اف۔۔۔! وہ بے چاری اب تک میرا انتظار۔۔۔"



صبح ساڑھے چھ کا وقت تھا۔ گرمیوں کے موسم میں سورج جلدی چڑھ آتا ہے۔ ابھی دھوپ میں چبھن کے اثرات اتنے زور آور نہیں ہوئے تھے پھر بھی اسے لگا کہ اس نے ہاتھ میں موجود شاپر عفت کی جانب بڑھایا جس میں ناشتے کا سامان صاف دکھائی دے رہا تھا۔
"آپ سینڈوچ کھالیں چچی جان!" عفت اب رضوانہ کی طرف متوجہ تھی۔
"میں اب چلتا ہوں عفت۔۔۔ یہ سامان رکھ لیں۔" عفت نے اس کے ہاتھ سے شاپر پکڑا اور پھر سے رضوانہ کی جانب متوجہ ہوگئی۔
"آؤ حدید کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ بیٹا! یہ عفت کو دیکھو مجھے بالکل ہی مریض بنا ڈالا ہے' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" رضوانہ کی محبت بھری آواز پر تینوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ تینوں کی کوشش ناکام رہی۔
"اور تم اتنی جلدی کیوں جارہے ہو۔ تھوڑی دیر رک جاؤ بیٹا۔" غالباً" رضوانہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ صبح صبح ناشتا دینے کے بہانے عفت کو دیکھنے دوبارہ آیا ہے۔
"انہیں جانے دیں چچی۔ یہ رات میں یہیں رک گئے تھے۔ بہت تھک گئے ہیں۔ اب جاکر آرام کرلیں تو بہتر ہے۔" اسپتال کے نیم تاریک دالان میں بنے اس ٹھنڈے کمرے میں تیز دھوپ نکلی اور سیدھی اس کی آنکھوں میں کھب گئی۔ اس کی سوچیں ادھوری رہ گئیں اور اسے لگا اس کا وجود بھی ادھورا رہ گیا۔ عفت اکیلی نہیں تھا۔ وہاں کوئی اور بھی تھا۔ وہ ہی شخص تھا جو عفت کے تمام حقوق اپنے نام کروا چکا تھا اور فرائض کی بجا آوری کے لیے دل سے تیار تھا۔
"اتنی صبح صبح آپ یہاں۔۔۔ خیریت۔۔۔" حدید سے مسکرایا بھی نہیں جارہا تھا اور اس نے کوشش بھی نہیں کی۔
"جی بس۔۔۔" اس سے مصافحہ کرتا معراج اس عجیب و غریب لہجے و انداز پر گڑبڑا گیا۔
"یہ حدید ہیں۔ میری بہن نائلہ کے شوہر اور میرے خالہ زاد بھائی بھی۔" عفت بھی حدید کو دیکھ کر اور اس کی بات سن کر حیران ضرور ہوئی تھی لیکن حدید کی کیفیت کو اگر وہ نہ سمجھتی تو کون سمجھتا۔ اس نے بروقت خود کو سنبھال

کر پرسکون کرلیا۔ معراج پھیکے پن سے مسکرایا۔ عفت کی آواز بالکل اسی طرح نرم تھی مگر اس کی پشت پر بیٹھا ہوا حدید ساکت ہو چکا تھا۔

معراج سلام کر کے چلا گیا۔ عفت رضوانہ کو سینڈوچ کھلانے لگی لیکن وہ اپنی پشت پر حدید کے پتھر ہوئے وجود کو محسوس کر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

معراج نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی ماں کے ٹٹولتے انداز کو محسوس کرلیا تھا۔

"کہاں تھے تم رات بھر۔" وہ سلام کے جواب میں سوال کرنے لگیں۔

"بتایا تو تھا ایک دوست کی طرف گیا تھا۔" وہ تھکے تھکے انداز میں سلام کر کے نزدیکی صوفے پر گر سا گیا۔

"ایسا کون سا دوست نکل آیا تمہارا۔ جس کے لیے تم یوں اپنی راتیں کالی کرو اور آفس سے چھٹیاں کرتے پھرو۔" اماں کی آواز میں شک نہیں بس ایک واضح الجھن سی تھی۔

"اوفوہ اماں آپ بھی بس... بتایا تو تھا عفت کی چچی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا ان کی عیادت کے لیے گیا تھا۔"

"ہاں تو..." وہ اب بھی نہیں سمجھی تھیں۔

"تو بس... وہیں رک گیا تھا۔"

"ہیں؟" وہ یوں اچھلیں جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"رک گیا تھا مطلب... پوری رات سے تم وہاں تھے۔" انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"جی وہیں تھا..."

"لیکن کیوں کیا ضرورت تھی تمہیں وہاں رکنے کی۔ ان کے یہاں کوئی مرد نہیں ہے۔" حسب توقع اماں برا مان چکی تھیں۔ معراج نے ایک گہری سانس لی۔ رات والا ٹرانس گزر چکا تھا۔ عفت عنقریب اس گھر میں آنے والی ضرور تھی لیکن ابھی آئی تو نہیں تھا۔ یہی سوچ کر اس کی پلکیں نیند سے جڑی جارہی تھیں۔

"مرد ہیں لیکن اس وقت نہیں تھے۔ بہنوئی ہیں عفت کے... ایک کو حیدر آباد جانا تھا۔ دوسرا اس کی بہن کے پاس تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

"اور وہ ان کی چچی محترمہ ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو تمہیں کرنا پڑا۔" ان کا لب و لہجہ تیکھا ہو گیا۔ بیٹے کی زبان پر چڑھی ایک دن پرانے سسرال کی مصروفیات انہیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھیں۔

"تھی نا! عفت وہاں تھی اکیلی۔ اسی کا خیال کر کے رک گیا تھا میں۔" اس نے اپنی منکوحہ نہیں بلکہ سالوں پرانی بیوی کی طرح عفت کا ذکر کیا تھا لیکن عفت کے نام پر اس کے چہرے کا جو رنگ بدلا تھا۔ وہ ان جیسی جہاندیدہ خاتون سے کیسے چھپ سکتا تھا۔ اوپر سے معراج کی بات۔ اس نے گویا ان کے پیروں میں پٹاخا پھوڑا۔

"ہیں... ہیں۔" وہ بدک کر آگے پیچھے سرکیں... جز بز ہوئیں۔

"تو تم اس کے ساتھ تھے... رات بھر۔"

"جی رات بھر اسپتال میں۔" معراج بھی ان کے انداز پر ذرا کسمسایا۔ پھر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

"سو رہا ہے ابھی جاگا نہیں۔ اٹھا دوں کیا۔" دل میں ہوتی پکڑ دھکڑ کی وجہ سے ایک بے تکی بات ان کے لبوں سے نکلی۔

"نہیں اماں پلیز اور اگر اٹھ بھی جائے تو میرے پاس مت بھیجیے گا۔ رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ ذرا دیر تک سوؤں گا۔" اس نے فی الفور انہیں منع کیا۔ پھر اٹھ کر ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتا کمرے سے نکلا۔

"ناشتا نہیں کرو گے۔" انہوں نے صدمے سے باہر نکل کر اسے پکارا وہ دہلیز پر لمحہ بھر کر رکا پھر منفی میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"اے ہے۔ یہ کیا ہو گیا پاگل کو۔ ابھی تو دوسرا دن نہیں گزرا نکاح کیے کہ ایسے لٹو ہو گئے۔ مانو اپنی نیندیں قربان کرنے کو تیار۔ اے لڑکی ہے کہ جادوگرنی۔" بات ہی ایسی تھی۔ پیٹ میں درد تو ہونا ہی تھا۔ جھٹ سے بیٹی کو بلوا بھیجا۔

"اور اماں دیدہ دلیری دیکھیں خود بھی اکیلی تھی وہاں اور اسے بھی روک لیا۔ آئے ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے یہ۔"

"اور نہیں تو کیا۔" اماں نے پان کی گلوری کلے میں دبائی۔ اور بیٹی کے سامنے مزید پھپھولے کے لیے پوزیشن سنبھالی۔

"لو پورے خاندان میں کسی کو خبر نہیں ہوئی اور یہ دونوں وہاں رات بھر اکیلے پڑے رہے۔"

"یہ تو ہمارے بھائی کی شرافت ہے کہ ہمیں بتا دیا۔ پتا نہیں اب اس نے بھی کسی کے کان میں یہ بات ڈالی کہ نہیں۔"

"اے لو۔ وہ کیوں بتائے گی۔ ایسی ملاقاتوں کی کسی کو بھنک دی جاتی ہے کیا۔"

"مگر میں تو اماں چپ نہیں رہوں گی۔ باتوں باتوں میں عفت کی ماں سے کہوں گی ضرور۔ ان کی ناک کے نیچے یہ کھیل تماشے ہمارے خاندان میں نہیں ہوتا ایسا۔" بیٹی ان کے جلتے پھپھولوں پر ہمدردی کے پھاہے رکھنے لگی۔ آخر اسے بلایا کس لیے تھا۔

"چل چھوڑ۔ رہن دے۔ پتا نہیں راجو کو کیسی لگے یہ بات۔" اب بیٹی جذباتی ہونے لگی تو ماں کو خیال آگیا۔

"کیسی لگے کیا مطلب۔ جیسی بھی لگے۔ بات ہے ہی غلط۔ ایک تو ہمارے علم میں لائے بغیر رات بھر وہاں رکا رہا۔ اور وہ بھی عفت کے ساتھ۔ بہت غلط بات ہے۔" صحیح بات کو غلط کہتے سے وہ بالکل بھول گئیں کہ عفت کوئی اور نہیں 'شرعاً' اور 'قانوناً' ان کے بیٹے کی عزت اور اس گھر کی بہو تھی۔ گو کہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس کی حیثیت کو دنیا کی کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اماں نے بیٹی کو گرم ہوتے دیکھا تو بنا کچھ کہے کلے میں دبا پان چبانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

صبح اپنا ٹھنڈا روپ لے کر جانے کو تیار تھی۔ جب ماہا اور سوہا ناشتا لے کر اسپتال پہنچیں۔ رضوانہ نے جو دونوں بیٹیوں کو ساتھ آتے دیکھا تو سکھ کا سانس لیا۔

"سوری عفت ہمیں آنے میں تھوڑی دیر ہو گئی اصل میں رات میں اس قدر دیر سے آنکھ لگی کہ۔۔۔" سوہا نرمی سے عفت سے بات کرنے لگی۔ حدید خاموش سا تھا۔ مگر ان تینوں نے ایک دوسرے میں لگ کر اس کی خاموشی کو محسوس نہیں کیا۔ ان دونوں کے آنے سے پہلے عفت اور حدید کے درمیان ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ تھوڑی بہت بات چیت رضوانہ نے ہی کی حدید سے۔ اس کے بعد وہ باہر چلا گیا تو واپس نہیں پلٹا۔ یہاں تک کہ سوہا نے اس سے بہت دل چاہنے کے باوجود نائلہ کی خیریت تک نہیں پوچھی۔

وہ جانتی تھی۔ حدید کے دل و دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ وہ سوچیں نہیں تھیں۔ ایک لاوا تھا۔ جو اس کے چھیڑنے پر پھٹ پڑتا۔ اور پھر کچھ خبر نہیں تھی اس کے عزت اور بھرم کے ساتھ ساتھ کردار کو بھی جھلسا کر رکھ دیتا۔ اس نے خاموشی اور لاتعلقی میں ہی عافیت جانی۔ یہی بہتر تھا۔

ماہا اور سوہا کے آنے کے بعد ماحول بدل گیا۔ تینوں ہنسی مذاق کرنے کے ساتھ ساتھ ناشتا نکالنے لگیں۔ ماہا کا دل مستقل حسیب میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

وہ جلد از جلد حدید اور مزنہ آپی کی مشاورت سے حسیب کی گمشدگی کی رپورٹ پولیس میں کروانے والی تھی۔ اس کے علاوہ اب اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

"رات میں معراج آئے تھے۔ چچی جان کو دیکھنے۔" ناشتے کے بعد جب تینوں چائے پینے کے لیے باہر کاریڈور میں نکلیں تو عفت نے جھکی پلکوں سے انہیں بتادینا مناسب خیال کیا۔ بعد میں اگر بات کھلتی تو شاید اس کا رنگ وہ نہیں رہتا۔ جو خود سے بتادینے میں تھا۔

"اوہو۔ وہ۔ وہ۔ اچھا۔ پھر۔" سوہا نے شوخی سے عفت کو کہنی ماری۔ وہ ہنس دی۔ ماہا بھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ ہو رہا ہے۔ ڈیٹس لگ رہی ہیں بھئی۔ اور وہ بھی اسپتالوں میں۔" سوہا کی بات پر وہ سرخ پڑ گئی۔

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو عیادت کو آئے تھے پھر۔۔۔" وہ رک گئی۔

"پھر کیا۔" سوہا نے لاپروائی سے مگ منہ سے لگایا۔ ان دونوں کے ہی گمان میں نہیں تھا کہ وہ اگلی بات کیا بتانے والی ہے۔

"پھر مجھے اکیلا دیکھ کر یہیں رک گئے۔" سوہا نے جلدی سے مگ یوں منہ سے ہٹایا کہ اسے اچھو لگتے لگتے بچا۔ ماہا کا بھی منہ کھل گیا۔ اور اتنی دیر تک کھلی آنکھوں اور منہ سے اسے دیکھتی رہی کہ سوہا کو صفائیاں پیش کرتی عفت نے اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کردیا۔

"کیا ہوگیا۔ کیا دیکھ رہی ہو پاگلوں کی طرح۔" بری طرح جھینپ رہی تھی۔

"سوہا۔ دیکھو اس کو۔ کتنے مزے سے کہہ رہی ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا! اس میں حرج ہی کیا ہے۔" سوہا نے کھلے دل سے اس بات کو قبول کرلیا۔

آتے جاتے لوگ، نرسز اور ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ دور کھڑے حدید نے بھی پلٹ کر انہیں دیکھا۔ پھر ان کی طرف چلا آیا۔

"تم لوگ باہر کیوں آگئیں۔"

"ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں راؤنڈ پر تو ہمیں باہر آنا پڑا۔"

"میں پوچھ کر آتا ہوں۔ چھٹی کب تک مل جائے گی۔" وہ ڈاکٹرز کو دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ ماہا کو اسے دیکھ کر ایک بار پھر حسیب کا خیال آیا۔ وہ اس سے بات کرنے کے لیے سوہا اور عفت کو وہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔ آٹھ دس قدم آگے آکر بھی وہ حدید کو آواز نہیں دے پائی تھی کہ اس نے مغیث حسن کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

"یا اللہ خیر! سر آج پھر یہاں۔ یقیناً" ان کا کوئی قریبی شخص داخل ہے جب ہی روز چکر لگا رہے ہیں۔"

مغیث حسن بالکل اس کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ وہ اس وقت آگے بڑھ کر ریسپشن کاؤنٹر تک آگئی تھی۔ جیسے ہی مغیث حسن وہاں تک پہنچے اس نے فوراً" آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ماہا نے جلدی سے اپنا تعارف کروایا۔

"سر میں آپ کے اسکول میں جاب کرتی تھی۔ کیمپس فور میں۔"

"او اچھا اچھا۔" وہ شفقت سے مسکرائے۔

"اور جس سال میں اپائنٹ ہوئی تھی۔ اسی سال مجھے بیسٹ پرفامنس کا ایوارڈ بھی ملا تھا۔"

"اوہ ویری گڈ۔ اب کہاں ہیں آپ۔"

"اب تو سر میری شادی ہوچکی ہے۔" وہ ذرا جھینپ گئی۔

"یعنی ہم نے ایک قابل استانی کو کھو دیا۔" وہ خوش گوار لہجے میں بولے ماہا دھیرے سے ہنس دی۔

"سر آپ کے پاس تو میرے جیسے بے شمار ٹیچرز ہیں۔" اس نے کسر نفسی سے کام لیا۔ وہ کچھ کہنے ہی لگے تھے کہ کسی کے پکارنے پر اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ لیں۔" وہ شاید ان کا کوئی قریبی ملازم یا سیکریٹری وغیرہ تھا۔ ماہا مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ مغیث حسن سامنے بنے کمروں کی قطار میں سے ایک کی طرف بڑھ گئے۔



یہ وہی آنگن تھا جہاں اس نے زندگی کا پہلا قدم اٹھایا تھا۔ پہلا لفظ لبوں سے ادا کیا تھا۔ پہلی ہنسی، پہلی مسکراہٹ دکھائی تھی۔ پہلا آنسو بہایا تھا۔ اسے پہلی پہلی محبت کا لطف اور درد کا ملا جلا احساس اسی آنگن میں ہوا تھا۔

رخصتی کے سمے ملن اور جدائی کے انوکھے سمے کے حزن و خوشی میں لپٹے رنگ کا ذائقہ بھی اس نے پہلی بار یہیں چکھا۔ یہیں پہلی بار زندگی میں آنے والے پہلے مرد کی محبت تھی۔ پہلا اعتبار جو خون کے علاوہ کسی رشتے پر اس نے کیا۔ اور وہ پہلا پہلا اعتبار اسی شخص نے توڑا جو اپنی، پہلی محبت کا دھوکا لے کر اسے اپنے سنگ لے کر گیا تھا۔

وہ کسی کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت نہیں تھی۔ وہ خود کسی کی پہلی محبت نہیں تھی۔ ہاں اس کی محبت جو پہلی تھی۔ اس سے ملنے والا غم ضرور اول اول کا تھا۔ اور جب یہ غم اس کے دل کا مکین بنا تو لگتا تھا۔ اس کا دل بند کر کے ہی چھوڑے گا۔ لیکن وہ بھول گئی تھی۔

ہر بات، ہر واقعہ، ہر خوشی، ہر غم، پہلا تو ہو سکتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ آخری بھی ہو۔ خالی سونے گھر میں ایک اکیلی اس کی جان تھی۔ اور وہ تھی کہ اب کسی صورت آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی۔

"رونے سے نہ مسئلے حل ہوتے ہیں نہ مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔" ایک بار حبیب نے ہی اسے سمجھایا تھا۔

جن دنوں وہ نئی نئی پاکستان سے دبئی گئی تھی۔ تو جتنی خوش تھی اتنی ہی خوف زدہ بھی۔ ذرا سی بات پر بری طرح گھبرا جاتی تھی۔ ظاہری بات تھی۔ جس نے کبھی کراچی سے باہر قدم نہ نکالا ہو یا گئی بھی ہو تو بڑوں کے ساتھ چھوٹی عمر میں صرف سیر و تفریح کے لیے۔ اس کے لیے اتنی ترقی یافتہ ریاست میں تن تنہا چلے جانا۔ پھر وہیں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا وہ بھی اپنے کسی گھر والے کے بغیر۔ کوئی مشکل سی مشکل تھی۔

اور اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے حبیب نے اپنی ساری طاقتیں اور توانائیاں محبتوں سمیت اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ایسے ہی ایک دن جب ایک مال میں حبیب کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے نکلی تھی تو حبیب سے ذرا سی دیر کے لیے بچھڑ گئی تھی۔ اس نے ہونقوں کی طرح آس پاس مڑ کر گھوم پھر کر دیکھا تھا۔ اور پھر بے حد چمکتی دمکتی۔ شیشے کی دیواروں سے بھری اس مہکتی ہوئی دکان سے باہر نکلی تو اس کا چہرہ اس قدر سفید پڑ چکا تھا۔ کہ کوئی بھی اس کی شکل دیکھ کر پہچان سکتا تھا کہ وہ کس مشکل میں پڑ گئی ہے۔

اس نے سامنے لگی گرل سے نیچے جھانکا۔ وہ لوگ اس وقت ایک شاپنگ مال کے فرسٹ فلور پر ہی تھے۔ لیکن اسے یوں لگا تھا جیسے وہ ساتویں آسمان سے بھی اور کہیں کھڑی ہے۔ ہر جگہ اجنبی چہرے ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ ہر چند کہ وہاں اردو بولنے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ لیکن اسے نہ کوئی آواز آ رہی تھی نہ کوئی زبان سمجھ آتی تھی۔ بس کچھ ہی دیر گزری کہ اس کے آنسو ابلنا شروع ہو گئے۔

حالانکہ حبیب دس منٹ سے بھی کم وقت میں اسے ڈھونڈتا واپس پہنچ گیا تھا۔ ماہا اس وقت دھواں دھار آنسو بہاتی دو تین خواتین کے جھرمٹ میں کھڑی تھی اور اس قدر خوف زدہ تھی کہ اپنی جگہ سے ایک انچ سرکنے کو تیار نہیں تھی۔

حبیب کی آواز نے اسے آوازوں کے ہجوم میں سے ڈھونڈا وہ بے قراری سے اٹھی تھی۔ اور حبیب سے چمٹ

کر اسی وقت وہیں اتنا روئی تھی کہ اچھا خاصا تماشا ہی لگ گیا تھا۔ حسیب ہنس بھی رہا تھا اور پریشان بھی تھا۔ ابھی بھی اس کے لبوں پر ان لمحات کو سوچ کر ایک بھولی بسری مسکراہٹ آن رکی۔ وہ چند لمحے مسکراتی رہی۔ پھر جانے کیا بات یاد آئی کہ بے اختیار ہنس پڑی اپنی ہی ہنسی کی آواز اس کے لیے اجنبی سی تھی۔ وہ چونکی اپنے اردگرد دیکھا۔ اور اس کے لب سکڑ گئے۔

"کہاں چلے گئے حسیب کہاں ڈھونڈوں میں آپ کو۔" صحن میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر گھٹنے موڑے اس نے بازو لپیٹے اور ان پر سر رکھ دیا۔ کوئی اداسی سی اداسی تھی۔ کوئی مایوسی سی مایوسی تھی۔

کیا ہے سفر وفا کی منزل کا
نہ کوئی حل دلوں کی مشکل کا
دھڑکن دھڑکن بکھری رنجشیں
سانسیں سانسیں ٹوٹتی بندشیں
کہیں تو ہر لمحہ ہونٹوں پر فریاد ہے
کسی کی دنیا چاہت میں برباد ہے
یا رب ہوے دے کوئی جان بھی اگر
دلبر پہ ہو نہ دلبر پہ ہو نہ کوئی اثر

لفظ کسی دکھ کی صورت گنگناتے ہوئے اس کے دل سے سماعتوں تک کا سفر کر رہے تھے تو تب ہی نیچے سے کچھ چہل پہل کی سی آوازیں آئیں۔ پھر تائی اماں کی آواز' وہ اسے نیچے بلا رہی تھیں۔ وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے سیڑھیاں اتری اور سامنے والے کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی کرسیوں پر مزنہ آپی براجمان تھیں۔

"آپی! آپ۔" اس کے گمان کی حدوں سے بھی کوسوں دور تھا۔ کہ وہ اس طرح بالکل اچانک اور وہ بھی بغیر اطلاع کے چلی آئیں۔

"ہاں میں۔ کیوں کیا ہوا۔"

"نہیں کچھ نہیں۔"

"کیا ہوا بہت ست لگ رہی ہو۔ لگتا ہے گہری نیند سے جگا دیا میں نے آکر۔" ان کا لہجہ بہت تیکھا تھا۔

"نہیں میں جاگ ہی رہی تھی۔" وہ ان کا چہرہ نہیں دیکھ رہی تھی۔ بوکھلا کر اس نے بالوں میں الٹے سیدھے ہاتھ مارے۔

"اچھا۔ لگتا تو نہیں۔" وہ طنز پر طنز کیے گئیں۔ ماہا نے اپنی مدد کے لیے تائی اماں کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ تایا ابا بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

"کیا لیں گی آپی آپ! چائے تو نہیں پئیں گی۔ آج گرمی بہت ہے میں۔ کولڈ ڈرنک منگواتی ہوں۔" اسے آداب میزبانی کے بہانے سے ان کے سامنے سے اٹھنے کا موقع مل گیا۔

"میں یہاں اپنی خاطریں کروانے نہیں آئی۔ اکلوتا بھائی لاپتا ہے میرا۔ میری تو بھوک پیاس نیندیں سب اڑ گئی ہیں۔ تمہیں ٹھنڈا گرم سوجھ رہا ہے۔" ان کے تیوروں کی طرح آواز بھی بگڑی ہوئی اور بلند تھی۔

"میرا بھی آرام چین سکون سب ختم ہو گیا ہے آپی! میں خود بہت پریشان ہوں۔ مگر آپ پلیز کچھ خیال کریں۔ میرے تایا ابو بیمار آدمی ہیں۔ انہیں حسیب کے بارے میں کچھ نہیں پتا۔" وہ حتی الامکان آواز نیچی رکھ کر منمنائی تھی۔

"کیا بات ہے. بہن! کیا ہو گیا۔ کس بات پر ناراضی ہے۔" تائی اماں یقیناً "معاملہ بھانپ گئی تھیں۔ اس لیے کمرے میں آکر رسانیت سے پوچھنے لگیں۔

"یہ تو آپ اپنی بیٹی سے پوچھیں۔ کس بات کی ناراضی تھی اس کی میرے بھائی سے' جو اسے اس قدر تنگ کیا۔ اس قدر عاجز کیا۔"

"میرا حسیب سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔" ماہا نے دبی دبی آواز میں جانے کس کو صفائی پیش کی تھی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔ میں نے خود سنی تھیں آوازیں تمہاری جس دن تم میرے گھر سے واپس آئی ہو۔ حسیب تمہیں لے کر جانا چاہتا تھا۔ اس نے سب بتا دیا تھا۔ مجھے۔"

"بہن آپ بیٹھ کر آرام سے بات کریں۔" تائی اماں نے ایک اور کوشش کی۔

"نہ مجھے بیٹھنا ہے۔ نہ آرام سے بات کرنی ہے۔"

ماہا بے بسی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ شدید بے بسی کا وہی احساس اسے لپیٹنے لگا جو اس شاپنگ مال میں اسے گھیرے میں لے رہا تھا۔ اسے لگا وہ آج ابھی ابھی حسیب سے بچھڑی ہے۔ اور دنیا کے بے رحم لوگوں کے درمیان کھو گئی ہے۔ حسیب کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ نہ حالات کی سفاکی سے۔ نہ بے رحم الفاظ کے لپکتے چابک سے' وہ حسیب کو کبھی ڈھونڈ نہیں سکے گی۔" ایسی بھی کیا ضد سوار ہو گئی تھی اسے۔ کونسی اڑچن آ گئی تھی جو یہ اتھری گھوڑی کی طرح قابو میں ہی نہ آئی۔"

"بہت شوق ہے آپ کو سننے کا۔ کیا ضد تھی مجھے۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں سر اٹھایا۔

"تو سن لیں کان کھول کر۔ ہاں میں نے جھگڑا کیا تھا۔ آپ کے بھائی سے۔ ہاں ہاں۔ میں نے بد زبانی کی تھی۔ میں نے انہیں دھتکار دیا تھا۔" تائی اماں۔ عفت اور مزنہ آپی رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیونکہ آپ کا بھائی کنوارا نہیں ایک بچے کا باپ تھا۔ اور اس نے یہ بات مجھ سے چھپائی تھی۔ جو اتفاق سے مجھے پتا چلی۔ لیکن میں مان گئی تھی۔ خدا گواہ ہے۔ میں ان کے ساتھ جانے کو رضامند ہو گئی تھی۔ لیکن میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس عورت سے آپ کے بھائی کے تعلقات برداشت کرتی۔ جو آپ کے بھائی کے ناجائز بچے کی ماں ہے۔"

عفت کا منہ کھل گیا۔ تائی اماں کی آنکھیں ابل آئیں۔ عفت کے ہاتھ ڈھیلے ہو کر پہلوؤں میں لٹک گئے۔ اور مزنہ کے چہرے پر مرگ کی سی سفیدی چھا گئی۔

"کیا بکواس کر رہی ہے لڑکی۔ جو منہ میں آ رہا ہے بولے جا رہی ہے۔" اب کے وہ بولیں تو ان کی آواز ایسی کھوکھلی تھی۔ جیسے کوئی خالی تنے میں منہ ڈال کر بھونپو بجانے کی کوشش کرے۔ پھٹا ہوا اور بیٹھا ہوا بھونپو.....

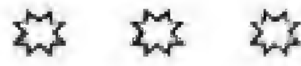
"میں سچ کہہ رہی ہوں....." اس نے بے دردی سے اپنے گالوں پر بہتے آنسو رگڑ ڈالے۔

"یقین نہیں آتا' تو اس عورت کو فون کریں اور پوچھیں کہ وہ حسیب کے فلیٹ میں کیا کر رہی ہے اتنے دن سے۔" عفت اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلی تھی۔ اس نے صرف گردن گھما کر بولتی ہوئی ماہا اور پھر پھٹی ہوئی آنکھیں لیے مزنہ کو دیکھا۔

"ہاں یہ سچ ہے۔" وہ چلائی اور زور سے بلک پڑی۔

"آپ اس اذیت سے نہیں گزریں جس سے میں گزر رہی ہوں۔ آپ تو کچھ بھی نہیں جانتیں۔" وہ سینے میں منہ چھپائے بری طرح سسک رہی تھی۔ عفت بھی قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی اسے پچکارنے لگی۔ مزنہ سر جھکا کر باہر نکل گئیں۔

کچھ دیر پہلے وہ اپنی نیند، بھوک اور پیاس اڑنے کا ذکر زور و شور سے کر رہی تھیں۔ نیند اڑنا، بھوک پیاس مر جانا اور شرمواذیت کے گڑھے میں اترنا کیسے کہتے ہیں۔ یہ انہیں اب معلوم ہوا تھا۔



حدید کے علاوہ اس وقت اور کوئی مرد اسپتال کے چکر لگانے کے لیے دستیاب نہیں تھا۔ ماہا کی فون پر روئی روئی آواز سن کر وہ چونک گیا۔

"کیا بات ہے۔ تم رو رہی ہو۔" ماہا کے گلے میں پھندے سے لگنے لگے۔

"نہیں بس آپ مجھے لے چلیں امی کے پاس۔"

"اوکے! آفس سے آؤں گا تو لے چلوں گا۔" انداز بتا رہے تھے کہ کوئی بات ہے ضرور لیکن اگر وہ نہیں بتانا چاہتی تھی تو، پھر حدید نے بھی اصرار نہیں کیا۔

مغرب کے بعد اس نے نماز ادا کر کے دیر تک امی کی صحت یابی اور اپنی قسمت کی بگڑی لکیروں کی درستی کی دعا مانگی۔ بندے اور دعا کا رشتہ دنیا کا سب سے خاص رشتہ ہے۔ یہ رشتہ انوکھا بھی ہے۔ سب سے مضبوط بھی اور سب سے سچا بھی۔ بندہ جب بھی دعا مانگے، دل سے مانگے یا نہ مانگے لیکن جھوٹے منہ کبھی نہیں مانگتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا دل نہ چاہے اور وہ پھر بھی دعا کرے یا اللہ فلاں بندے کا بھلا کر۔

یہی رشتہ ہے۔ جو ازل سے ابد تک قائم ہے۔ یہی رشتہ ہے۔ جو ربط ہے خالق اور مخلوق کے درمیان، بندے اور بندہ نواز کے مابین، یہ وہ رشتہ ہے۔ جس کا رنگ کائنات کی کسی اور شے سے نہیں ملتا۔ جس کی خوشبو دنیا کے کسی پھول سے لیے گئے رس سے نہیں بن سکتی۔ اور اس کا ذائقہ وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس رشتے کو کبھی آزمانے کی کوشش نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ دنیا کا بلکہ ماورائے دنیا بھی، وہ واحد اور اکیلا رشتہ بھی ہے۔ جو انسان سے اس کی پیدائش کے ساتھ جڑتا ہے اور پھر کبھی ٹوٹتا نہیں۔

اللہ اور اس کے بندے کے درمیان دعا کا رشتہ وہ واحد رشتہ ہے۔ جو انسان کبھی نہیں توڑتا۔ موت کے بعد بھی نہیں توڑنا چاہتا۔ کوئی لاکھ اللہ سے ناراض ہو لیکن پھر بھی، کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کے لبوں سے اللہ کی یاد اور اس کی بات ضرور نکلتی ہے۔

بندہ لاشعوری طور پر ہی خدا سے فریاد کرتا رہتا ہے۔ اور شکوہ کناں بھی ہوتا ہے۔

اس نے بھی جائے نماز رکھ کر اپنے چہرہ صاف کرتے ہوئے وہ ازلی سکون دل میں اترتا محسوس کیا۔ جو خدا کے رازونیاز کے بعد انسان کی رگ و پے میں اتر کر اسے شانت کر دیتا ہے۔

"حدید بھائی آئے ہیں باہر بائیک پر تمہیں بلا رہے ہیں اسپتال جانے کے لیے۔" تھوڑی دیر بعد جب وہ منہ ہاتھ دھو کر تقریباً تیار ہی تھی۔ تب عفت نے اندر آکر اسے بتایا۔

"تم چچی کو بتاؤ گی مزنہ آپی کے بارے میں۔" اپنا بیگ اٹھا کر اس میں چیزیں رکھتی ماہا کا ہاتھ رک گیا۔ پھر اس نے عفت کو دیکھا۔

"تم کیا کہتی ہو۔"

"میرا نہیں خیال کہ تمہارا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ اور اگر ہے۔ تو بہت غلط" ماہا نے سہلایا اور بیگ کندھے پر ڈال لیا۔ پھر اپنی بھرتی موقوف کر کے قدم قدم چلتی عفت تک آئی۔ عفت جو کسی اور دھیان میں گم تھی۔ اسے یوں اپنے پاس رکتے دیکھ کر چونکی۔ ماہا نے اس کے کندھے تھام کر آنکھوں میں جھانکا۔

"زندگی کے سفر میں ہم جس پڑاؤ کو منزل سمجھ لیتے ہیں۔ جب ہم پر منکشف ہو جائے کہ یہ ہماری منزل نہیں۔ تو سفر جاری رکھتے ہوئے پڑاؤ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔
کیونکہ وقتی پڑاؤ چاہے کتنا ہی سرسبز شجر کیوں نہ ہو۔ بہرحال وہ وقتی ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے آگے سفر جاری رکھنے کو ترجیح دی۔
وہ مسکرائی۔ دونوں ہاتھوں سے عفت کے گال سہلائے اور اور پھر تیزی سے اللہ حافظ کہتی باہر نکلی۔ جاتے جاتے تائی اماں کو سلام کیا۔ جو اس کی شام والی باتوں پر ابھی تک دکھ اور گہرے غم کے حصار میں تھیں۔ قریب جاکر جلدی سے مگر نرمی سے ان کے شانے دبائے۔
انہوں نے گہری سانس بھر کر اس کے ہاتھوں کو اپنے بوڑھے ہاتھوں سے تھپکی دی۔ وہ باہر نکل کر حدید کے پیچھے بیٹھ گئی۔



سوہا کے سامنے اس نے خود پر ضبط کے کڑے پہرے بیٹھائے لیکن ماں کے سینے سے لگتے ہی کتنے بہت سے آنسو ان کے کمزور سینے میں جذب ہوتے چلے گئے۔ رضوانہ بھی دیر تک اسے خود سے چمٹاتے اپنی ممتا کی پیاس بجھاتی رہیں۔ انہیں اولاد نرینہ کی بہت آرزو رہی تھی۔
اپنے شوہر کی زندگی میں۔ وہ ہمیشہ اپنی مجازی خدا کے سامنے اس خواہش کا اظہار کرتی تھیں کہ ان کا ایک بیٹا بھی ہونا چاہیے لیکن ان کے انتقال کے بعد جب خواہش نے حسرت کا روپ دھارا تو اس حسرت کو دل کے کسی بے حد پوشیدہ نہاں کونے میں دفن کرکے اپنی ساری ممتا ان ننھی نازک پریوں پر نچھاور کردی۔
ان کی زندگی کا محور و مرکز یہی بیٹیاں بن گئیں پھر ان کے دل سے کبھی اپنے لیے دعا نہیں نکلی۔ سوائے ان بیٹیوں کے نصیب کے انہوں نے باری تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگا۔
"کیا بات ہے۔ آج میری بیٹی۔ بہت اداس ہے۔ کیا حسیب کی یاد آرہی ہے۔ جسے ماں کی آڑ میں چھپایا جارہا ہے۔" وہ بنا جواب دیے سینے میں منہ چھپائے پڑی رہی۔
اب ان سے کیا کہتی۔ اسے لگا کہنے سننے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔ یا پھر اتنا کچھ ہے کہ لفظوں میں سمیٹا جانہیں سکتا۔
سوہا البتہ بہت غور سے سنجیدہ چہرہ لیے اسے دیکھتی رہی۔ ماہا کا اس طرح چلے آنا جبکہ ڈاکٹر آج رات ہی ڈس چارج کرنے کو کہہ رہے تھے۔ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی جاکر بات کی تھی۔ پھر امی سے یوں لپٹنا اور آنسو بہانا۔ وہ حدید کو امی کے ساتھ مصروف پاتے ہی ماہا کو لے کر باہر نکلی۔
"کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔"
"مزنہ آپی آئی تھیں۔" اس نے بتانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اسے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ سوہا کو کوئی بات بتانے یا چھپانے کا فیصلہ کررہی ہے۔ اسے جلد یا بدیر بات اسے بتانا ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ ماں کے بعد وہی اس کی سب سے قریبی رازدار تھی۔ وہ اس سے اپنے دل کی ہر بات شیئر کرتی تھی۔
سوہا نہ صرف تسلی سے سن لیتی تھی بلکہ کبھی اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق مشورہ بھی دے دیتی تھی۔
بہنوں کا رشتہ تو اللہ نے بنایا ہے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہے۔ بہنوں کو کوئی بات بری لگے تو وہ ناراضی کا اظہار بھی کردیتی ہیں۔ عمر کا فرق زیادہ ہو تو چھوٹوں کو ڈانٹ بھی پلادیتی ہیں۔ بڑوں کے بیچ بولنے پر جھڑکتی بھی ہیں۔

اور پھر اپنے آگے رکھی پلیٹ کا کھانا ان کو دے دیتی ہیں۔ماں جائی کو اگر ماں کا دوسرا روپ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔اس نے بھی سب سے پہلے بہن کے سامنے اپنا دل کھولا۔

"تو پھر کیا ہوا۔کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"جو باتیں فون پر کرتی تھیں وہی کر رہی تھیں کہ مجھے اپنے شوہر کی گمشدگی کی کوئی فکر نہیں اور میں پتا نہیں کیا نیندیں پوری کر رہی ہوں اور۔پتا نہیں کیا کیا۔"

"تم نے کیا جواب دیا۔" ماہا کی نظریں پہلی بار اٹھ کر سوہا سے ملیں۔

"میں نے انہیں جو بھی جواب دیا ہے۔اب انہیں مجھ سے سوال کرنے سے پہلے سوچنا پڑے گا۔" دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔سوہا نے اس سے دوبارہ نہیں پوچھا بلکہ نظریں ہٹا کر داہنی طرف دور بنے کاؤنٹر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"بہت اچھا کیا۔کچھ لوگوں کو شرافت کی زبان سمجھ نہیں آتی۔"

"وہ جو صاحب کھڑے ہیں نا! ریسپشن پر۔" اس نے سوہا کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"میرے اسکول کے اونر تھے نا! مغیث حسن۔ان کا پی اے ہے۔"

"اچھا!" سوہا نے سرسری سا غور کرنے کے بعد اس کی طرف رخ موڑا۔

"مغیث سر بہت ہمدرد انسان ہیں۔بہت دریا دل۔جتنا ان کے پاس پیسہ ہے نا! اسی حساب سے خرچ کرتے ہیں خدا کی راہ میں۔کبھی کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے۔" وہ چند لمحے مزید ان کی تعریف کرتی رہی۔پھر سوہا سے بولی۔

"کل میں اور حدید بھائی جائیں گے تھانے۔" وہ ناخن کھرچ رہی تھی۔سوہا نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر سرسراتی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔اور اسی پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم فکر مند مت ہو ماہا۔اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اسے اپنی بہن کی پریشانی کا احساس تھا۔لیکن وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔سوائے زبانی کلامی تسلی دینے کے۔اب یہ جو پولیس تھانے کے چکر کل سے شروع ہونے والا تھا۔وہ جانتی تھی۔بظاہر اس سے اتنے حوصلے سے بات کرنے والی ماہا۔حقیقت میں اندر سے اس سے بھی زیادہ گھبرا رہی ہو گی۔

وہ بھلا کب گئی تھی زندگی میں تھانے وانے۔وہ تو اسپتال میں بھی شاید اپنی پوری زندگی میں دوسری بار ہی رک رہی تھی۔ماہا نے گہری سانس لی۔اور تھکے تھکے انداز میں بینچ سے اٹھی۔

اس کا ہر عمل اس کی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ اور بوجھل اعصاب کا غماز تھا۔وہ چاہے اظہار بے شک نہ کرتی۔لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ بے حد تھک چکی تھی۔جب سے حسیب کے شادی شدہ ہونے کا انکشاف ہوا تھا تب سے اب تک اس کی ازدواجی زندگی بے حد لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی۔

وہ ایک ایسی کشتی میں سوار تھی۔جس میں کوئی ناخدا نہ تھا۔وہ حادثات کے منجدھار میں اپنی ناؤ کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے تن تنہا ہی لڑ رہی تھی۔اور اتنی ہی اناڑی بھی تھی۔اور اتنی ہی گہرائی میں بھی۔نہ اپنی ناؤ واپس موڑ سکتی تھی۔نہ مہارت سے کھیلنا جانتی تھی۔بس وقت کی کروٹوں میں دب جانے والے لمحات کھینچتی اور کبھی پشت پر رہ جانے والے وقت کی یادیں بچاتی جی رہی تھی۔



وہ بہت دیر سے اپنی بیگم کی بے چینی اور مضطرب کیفیات کا مطالعہ کررہے تھے۔ وہ کبھی پاس آکر بیٹھ جاتیں۔ چند لمحے پہلو بدلتیں پھر بنا کچھ بولے اٹھ کر چلی جاتیں۔ کبھی بے مقصد آگے پیچھے ٹہلتیں۔ آس پاس کی چیزیں درست کرتیں۔ پھر بگاڑتیں۔ پھر درست کرتیں۔

وہ بہت صبر اور تحمل سے ان کی حرکات و سکنات پر غور کرتے ہوئے اس بات کے انتظار میں تھے کہ اپنی اندر کی سوچوں کے گھمسان سے تنگ آکر وہ خود ہی بول پڑیں گی۔ یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ پچھلے چند دنوں میں ان کے اکلوتے سالے حبیب کی اچانک گمشدگی نے نہ صرف بیگم بلکہ گھر پر بھی اثر ڈالا تھا۔ نہ صرف گہرا بلکہ بہت برا بھی۔

وہ خود ایک بے حد زمانہ اور موقع شناس آدمی تھے۔ ان کی اور مزنہ کی سالہا سال کی بھرپور خوشیوں بھری رفاقت میں جہاں مزنہ کی وفا اور سلیقہ شعاری کی اپنی جگہ تھی۔ وہیں ان کی مزاج کی نرمی اور صلح جو طبیعت کا بھی بہت ہاتھ تھا۔

مزنہ نے اپنی ذات اور زندگی سے جڑی ہر خوشی اگر ان کے ساتھ بانٹی تھی۔ تو زندگی کی طرف سے ملنے والے ہر غم پر آنسو بھی صرف ان کے سامنے بہائے تھے۔ ان کی زندگی لاجواب تھی۔ ان کی جوڑی مثالی تھی۔ ان کی ذہنی ہم آہنگی مکمل تھی۔ ان کی رفاقت بھرپور تھی۔ اسی کا اعتماد اور سہارا لے کر وہ مزنہ کی طرف سے بات شروع کرنے کے منتظر تھے۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

رات کے کھانے اور نماز کے فارغ ہو کر بہت دیر تک اللہ کے حضور گڑگڑانے اور آنسو بہانے کے بعد اپنا چہرہ صاف کرکے وہ دودھ کا گلاس لے کر ان کے پاس آئیں، تو نہ صرف خاصی حد تک کمپوزڈ تھیں۔ بلکہ ایک طرح سے کچھ پرسکون بھی لگ رہی تھیں۔

"آج میں گئی تھی ماہا کے گھر۔" انہوں نے دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔ اور خود گھوم کر دوسری طرف بیڈ پر آبیٹھیں۔

"یہ تو آپ نے صبح بھی بتایا تھا مجھے کہ آپ کا ارادہ وہاں جانے کا ہے۔ لیکن اس کی وجہ آپ نے صبح بھی نہیں بتائی تھی۔"

"میں اس کے پاس صرف اور صرف حبیب کی وجہ سے ہی جاسکتی ہوں۔" حسب توقع اپنی سوچ سے باہر آکر انہیں چڑنے میں دیر نہیں لگی۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو وہاں جانے کی ضرورت کیوں پڑی۔ جبکہ وہ بارہا آپ کو بتاچکی تھی کہ اسے حبیب کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ اور اس کا کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا۔"

"وہ تو۔۔۔" وہ تیزی سے بولنے لگیں۔ پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ آپ کو بتانا چاہتی ہوں لیکن ہمت نہیں پڑتی۔"

"کیا بات کی ہے۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔ کچھ تو بتاؤ۔"

"میں اصل میں اسے دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ میں نے اس سے دو چار نامناسب باتیں کہہ دی تھیں۔"

بدلے میں اس نے ایسی بات بولی کہ میں، میرا صبر و قرار سب کٹ گیا۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ گلا رندھ گیا۔

"اس نے کہا کہ حبیب کنوارہ نہیں بلکہ ایک بچے کا باپ ہے اور بچہ۔ بھی۔ ناجائز۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ صادق صاحب کے گلے میں پھندا لگ گیا۔ انہیں زور کی کھانسی آئی اور دودھ چھلک گیا۔

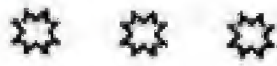
مزنہ اب باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

بھرائی ہوئی آواز اور رک رک کے الفاظ میں وہ مستقل ماہا کو ہی برا بھلا کہے جا رہی تھیں۔ جس نے ان کے معصوم بھائی پر اتنا گھناؤنا الزام لگایا تھا۔ صادق صاحب اپنی بیگم کو زندگی میں پہلی بار ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوتا دیکھ رہے تھے۔

گو کہ وہ مستقل "میرا بھائی ایسا نہیں ہے اور وہ ایسا نہیں کرسکتا" کے الفاظ دہرا رہی تھیں۔ لیکن شاید وہ خود ہی کہیں اس یقین میں پڑنے والی دراڑیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں ماہا کی بات کا ذرہ برابر یقین نہیں تھا۔ وہ اسے جھٹلا رہی تھیں' لیکن کھوکھلے پن سے۔

مزنہ کے برخلاف صادق صاحب کو ماہا کی کہی گئی بات پر فوراً" ہی یقین آگیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کا سالا اور اکلوتا سالا کوئی کردار کا کچا شخص تھا۔ بلکہ ایک حد تک اگر دیکھا جاتا تو اس نے زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے جو جدوجہد کی تھی۔ اس پر انہیں فخر ہی محسوس ہوتا تھا' لیکن جس زمانے کی اور جس ماحول کی یہ بات کی گئی تھی' اس میں اس کا بہک جانا' مستقل کام' اپنوں سے دوری اور جانوروں کی طرح بے فیض تھکن سے نڈھال ہو کر کچھ دیر کے لیے کسی چھاؤں میں ستا لینے کا عمل اتنا بھی انوکھا یا نرالا نہیں تھا۔

وہ یقیناً" بعد میں سنبھل گیا ہوگا۔ لیکن لمحوں کی لغزش یوں اسی کی زندگی پر محیط ہو کر اسے اپنوں اور غیروں کے سامنے رولے گی' یہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ صرف چند منٹوں کے دورانیے میں وہ حقیقت اور گمان کا کوسوں لمبا سفر کر کے واپس لوٹے تھے۔ باہر مزنہ ان کی منتظر تھیں اور انہیں ان سے کچھ تو کہنا ہی تھا۔



سوہا اٹھ کر اندر امی کے پاس چلی گئی اور حدید بھی ڈاکٹرز کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تب ہی کتنی ہی دیر خالی پن سے وہیں بیٹھی اپنے ہاتھوں کی لکیریں کھوجتی رہی۔ ان آڑی ترچھی لکیروں میں شاید کہیں اس کی زندگی کی وہ خوشیاں چھپی تھیں جو اس سے روٹھ گئی تھیں یا شاید ابھی ان میں مزید آزمائشیں چھپی بیٹھی تھیں۔ حبیب کی گمشدگی کی مشکل جیسی کچھ اور۔۔۔ دل کو مردہ کردینے والی۔۔۔ لایعنی سوچوں میں گھرے ایک سے دوسرے سمت تک کا سفر کرتے وہ جانے کتنی دور نکل گئی تھی۔ اپنے آس پاس کے ماحول سے بالکل دور اور بے خبر۔

اس وقت کوریڈور میں اچانک ہی ایک ہنگامہ جاگ اٹھا۔ نرسز' وارڈ بوائز اور ان کے ساتھ مغیث حسن کی سیکرٹری کو اس نے تیز قدموں سے ایک کمرے کی جانب بڑھتے دیکھا۔

"سر ہوش میں آتے ہی سانس اکھڑنے سی لگی تھی۔"

"فوراً" آئی سی یو میں لے کر جائیے' کوئیک۔۔۔" ڈاکٹرز کی پیشہ ورانہ آواز اور وہاں مچی ہلچل نے وقتی طور پر ماہا کو کسی گہری سوچ سے باہر نکالا تو وہ ایک دم سہم سی گئی۔

"الٰہی خیر۔۔۔ پتا نہیں کس کی زندگی داؤ پر لگی ہے۔" وہ گھبرا کر تیزی سے اٹھی اور امی کے پاس جانے کے لیے آگے بڑھ گئی۔ وہ مر کر بھی یہ بات نہیں سوچ سکتی تھی کہ داؤ پر لگنے والی زندگی کسی اور کی نہیں' اس کی اپنی ہے۔

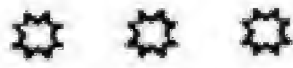
اسے اندر آتے دیکھ کر سوہا جو امی کے پاس بیٹھی اٹھ کر کہنے لگی۔

"کینٹین سے چائے ہی لے آؤ۔۔۔ سوکھے منہ بیٹھا نہیں جا رہا۔"

"ابھی لاتی ہوں۔ باہر ذرا کوئی ایمرجنسی ہے۔" اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ چند لمحے پیشتر کی نسبت اب ذرا سکون تھا۔ وہ باہر نکل کر سست قدموں سے چلتی کینٹین کی سمت بڑھنے لگی۔ کینٹین میں ڈسپوزایبل گلاس ختم ہو چکے تھے۔ اس نے مجبوراً" وہیں کے چینی کے کپوں میں چائے لی اور تھوڑی دیر میں واپس کرنے کا کہہ کر ہاتھوں

میں تھامے واپس آئی تو کوریڈور کے آغاز پر ہی حدید مل گیا۔
"کہاں چلے گئے تھے آپ۔ میں چائے لینے گئی تھی تو سوچا آپ کے لیے بھی لے لوں، مگر آپ نظر ہی نہیں آئے۔" حدید اس کی بات کے جواب میں پھیکے پن سے مسکرا دیا۔ ماہا نے اس کے برابر میں چلتے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
"کیا بات ہے، بڑے چپ چپ سے ہیں۔"
"میں چپ چپ ہوں، نہیں تو۔ ہاں لیکن تم۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ دوسرے سرے سے کسی مریض کو دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔ غالباً "انتہائی نگہداشت میں۔ حدید جگہ کم ہونے کے باعث تیزی سے آگے نکل گیا۔ حدید چند قدم آگے جا کر رک گیا اور ہٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ نظروں کے تصادم پر وہ ذرا سا مسکرائی اور بالکل برابر سے گزرتے اسٹریچر پر نظر ڈالی۔ ایک بے حد سرسری نظر، لمحے سے بھی کم وقت کی، اچٹتی ہوئی بے معنی۔ اور کبھی کبھی ایک نظر ہماری زندگی بھر کی بصارتوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ لمحے بھر کا منظر پوری زندگی کی فلم کو کرپٹ کر دیتا ہے اور کبھی کبھی چلتی پھرتی زندگی محض ایک پل میں فالج زدہ ہو کر وہیں ٹھہر جاتی ہے، جہاں وہ بھاری لمحہ زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ وہ بھاری لمحہ جو بیتی خوشیوں کے تمام وقتوں کو اپنے وزنی پیر تلے کچل دیتا ہے اور بڑے بڑے دکھ اس کے آگے ہیچ نظر آتے ہیں۔
اس کی زندگی میں بھی وہ لمحہ بے حد آہستگی سے داخل ہوا اور اس کی شہ رگ پر اپنا پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے ٹھہری۔ پھر ساکت ہوئی۔ پھر بت بنی اور بالآخر بے جان۔ ابھی ابھی اس نے اپنے بالکل برابر سے جس شخص کو بے حس و حرکت دوسروں کے سہارے پہیوں لگے بستر پر جاتے دیکھا تھا۔ جسے وہ اجنبی سمجھ رہی تھی۔ وہ اجنبی نہیں تھا۔ اس کی پوری زندگی کا عنوان تھا۔ اس کے بے جان ہاتھوں سے لبالب بھرے کپ چھوٹے اور ایک چھناکے کی زوردار آواز کے ساتھ ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھر گئے۔ شاید اس کے اپنے وجود کی طرح۔ اس نے فقط چند لمحے اسٹریچر کو خود سے دور جاتے دیکھا اور حدید نے اس کو ساکت ہو کر دوبارہ جنبش کرتے۔ کسی شناسا نام کی صورت ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور دوسرے پل وہ بھاگتی ہوئی جا کر اس بے سدھ وجود سے لپٹ گئی۔
"حسیب۔ حسیب!" وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ ایک بار کے بعد دوبارہ چیخی بھی نہیں۔
اسٹریچر دھکیلتی نرس اور دوسرے لوگ رک کر اس نیم پاگل عورت نما لڑکی کو تعجب سے دیکھنے لگے۔ جو آکسیجن ماسک میں چھپے چہرے اور نلکیوں میں جکڑے ہاتھ پیروں کو بری طرح جھنجوڑتی شاید اسے جگانے یا ہوش دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔
حدید بدحواس سا بھاگ کر آیا اور سارا معاملہ ایک نظر میں سمجھ گیا۔ ڈاکٹر زاب اسے سنبھالنے کی سعی کر رہے تھے۔ حدید نے اسے شانوں سے تھاما۔ گو کہ اس قدر اچانک اور اس قدر شدید ذہنی دھچکا جو حسیب کو وہاں اس حال میں دیکھ کر اسے پہنچا تھا۔ اس سے خود کو فوری طور پر باہر نکال پاتا۔ نہ صرف خود کو بلکہ حواس کھوتی ماہا کو سنبھالنا اتنا آسان نہ تھا۔ مگر یہی انسانی فطرت ہے اور یہی زندگی ہے۔ ماہا نے بے حد تڑپ کر اپنے شانے پر جمے حدید کے ہاتھ جھٹکے۔ اس وقت وہ بالکل جلال میں آئی کسی مست ملنگ کی مانند لگ رہی تھی۔
"پلیز۔ پلیز۔ ان کو سنبھالیں۔ پیشنٹ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" ایک نرس نے وہیں رک کر التجا آمیز انداز میں حدید سے کہا اور ماہا کو تھاما۔
"ریلیکس پلیز! ریلیکس۔" اس نے تڑپ کر اپنے بازوؤں سے نکلتی ماہا کو دیکھا۔ جو اب دور جاتے حسیب کے بیڈ کو دیکھتی چیخنے لگی تھی۔

"ہٹو۔۔۔ د۔۔۔ جانے دو مجھے۔"
"پلیز انہیں سنبھالیں۔" ایک ڈاکٹر کی پکار پر اس نے ماہا کو چھوڑا۔ حدید سے کہا اور دوڑتی ہوئی دور چلی گئی۔ حدید نے فوراً" آگے لپکتی ماہا کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا۔ خود کو چھڑانے کی کوشش کرتی' ماہا تھک کر ناکام ہو کر رک گئی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی زمین پر ڈھے گئی۔ اسے بازوؤں سے تھامے اس کے ساتھ بیٹھتا ہوا حدید بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر اپنے آنسو پینے لگا۔



رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ لیکن کمرے میں مکمل اندھیرے کی وجہ سے آدھی سے زیادہ بیت جانے کا گمان ہو رہا تھا۔ مزنہ کا ہموار تنفس گہری نیند میں جانے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ پوری طرح تسلی کرنے کے بعد کمرے سے باہر آئے اور دھیرے سے دروازہ بند کرتے ہوئے جیب میں تھرتھراتے موبائل کو کچھ کوفت کے ساتھ باہر نکالا۔ ان کے موبائل پر مسلسل کسی کی کال آرہی تھی' لیکن مزنہ کی خراب حالت کے پیش نظر انہوں نے ان کے سامنے کوئی بھی کال اٹینڈ کرنے سے پرہیز ہی کیا تھا۔ خود مزنہ کا اپنا موبائل انہوں نے کافی دیر ہوئی آف کر دیا تھا۔ ورنہ جس قدر بکھری ہوئی دماغی کیفیت میں مزنہ چلی گئی تھیں ان سے کچھ بعید نہ تھا کہ پھر سے ماہا کو کال کریں یا اس سے منسلک کسی بھی شخص کو فون کرکے کچھ بھی کہنا شروع کردیں۔ اسکرین پر چمکتے ان جانے نمبر سے۔۔۔ ان کا دل بھی انجانے انداز میں دھڑک اٹھا۔ دل ہی دل میں "یا کریم" کا ورد کرتے ہوئے انہوں نے فون کان سے لگایا۔
"السلام علیکم! میں حدید بات کر رہا ہوں۔۔۔ آپ نے مجھے پہچانا۔" آواز اور انداز مانوس سا تھا لیکن۔۔۔
"آپ حسیب کے۔۔۔"
"جی میں حسیب کا دوست بھی ہوں اور ماہا کے بہنوئی انس کا بھائی بھی۔۔۔" اس کی آواز ٹھہری ہوئی اور لہجہ بہت ہموار تھا۔ پھر بھی اس نے تعارف کی غیر ضروری تفصیل شاید خود کو سنبھالنے کے لیے استعمال کی تھی۔
"جی جی۔۔۔ فرمایے۔۔۔" دوسری جانب اس نے ایک گہری سانس لی اور آنکھوں کو زور سے بند کرکے کھولا۔
"حسیب کا پتا چل گیا ہے۔"
"جی۔۔۔ کیا۔۔۔ کب۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔" ایک پل میں ان کے دل پر کیا کیا نہیں گزر گیا۔ امید۔۔۔ خدشہ۔۔۔ قیامت۔۔۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو کسی بھی قسم کی بری خبر کے لیے تیار کر لیا۔ لیکن دوسری جانب جو کچھ حدید نے بتایا۔ انہیں سمجھ نہیں آیا کہ وہ ہنسیں یا روئیں۔ خدا سے شکوہ کریں یا شکر ادا کریں۔
"فی الحال وہ کومے میں ہے۔"
"او مائی گاڈ۔" وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر گر گئے۔
"مزنہ کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ بہت ڈسٹرب ہے۔"
"جی۔۔۔" حدید نے ایک نظر سہا کے بازوؤں میں بے حال ہوتی ماہا پر ڈالی۔
"اور وہ بچی ماہا۔۔۔ وہ کیسی ہے؟ اسے بتا دیا۔" انہیں بالآخر ماہا کا خیال آ ہی گیا تھا۔
"وہ بھی۔۔۔ ڈسٹرب ہے۔"
"اسے بتا دیا تم نے۔"

(باقی آئندہ)